اسلام اور ملکیت زمین

محمد طاسین

اسلام کے معاشی نظام اور اشتراکیت کے معاشی نظام میں ایک بنیادی فرق ہے ـ اسلام بلا تخصیص و بلا استثناء ہر شے کے متعلق انسان کی شخصی و انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے ـ وہ شئی نجی ضرورت اور ذاتی استعمال سے تعلق رکھتی ہو یا ان اشیاء میں سے ہو جن کے ذریعہ دولت پیدا کی جاتی ہے، اس کے برعکس اشتراکیت پہلی قسم کی اشیاء میں تو شخصی و انفرادی ملکیت کی قائل ہے جیسا کہ اشتراکی روس کے دستور میں درج ہے لیکن دوسری قسم کی اشیاء یعنی ذرائع پیداوار اور وسائل آمدنی میں شخصی ملکیت کا قطعی طور پر انکار کرتی ہے ـ

شخصی ملکیت سے متعلق اسلام کے نظریے کے مطابق جس طرح کوئی شخص، اشیائے صرف و استعمال کا مالک قرار پاتا ہے جیسے ماکولات و مشروبات کپڑے اور لباس، گھر اور گھریلو سامان، راحت و آسائش اور زیب و زینت کی چیزیں، زر و نقدی وغیرہ، اسی طرح ذرائع پیداوار اور وسائل دولت کا بھی مالک قرار پاتا ہے، جیسے زمین اور کارخانے وغیرہ، یہ دوسری بات ہے کہ مالکانہ تصرف کے لحاظ سے وہ ان دو قسم کی اشیاء میں فرق کرتا ہے، پہلی قسم کی اشیاء میں مالک کو تصرف کی جتنی آزادی دیتا ہے دوسری قسم کی اشیاء میں نہیں دیتا ـ

زمین کی شخصی ملکیت کے ثبوت اور جواز میں قرآن و حدیث میں جو مواد ملتا ہے وہ دو طرح کا ہے ، ایک وہ جزوی نصوص ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ زمین کی شخصی ملکیت اور اس کے جواز کا بیان ہے، ان میں سے بعض

بلاواسطه طور پر اس کے جواز پر دلالت کرتی هیں اور بعض بالواسطه طور پر، بالواسطه کا مطلب یه که ان میں ایسے احکام هیں جن کی صحت کا دارو مدار زمین کی شخصی ملکیت پر هے، یعنی اگر زمین کی شخصی ملکیت کا انکار کردیا جائے تو پهر ان احکام کا کوئی مصرف هی باقی نہیں رهتا اور یه احکام مهمل قرار پاتے هیں، اور دوسرا مواد، عام اور مطلق شخصی ملکیت کے بارے میں وه اصولی اور کلی تصور هے جو قرآن حکیم کی مختلف آیات سے مجموعی طور پر مستنبط هوتا هے ۔

پهر چونکه زمین کی شخصی ملکیت سے متعلق قرآن و حدیث میں جو جزوی نصوص اور تفصیلی احکام هیں وه بهی دراصل اس اصولی و کلی تصور پر مبنی هیں جو مطلق شخصی ملکیت کی بابت قرآن و حدیث میں پایاجاتا هے لہذا بحث و تحقیق کا صحیح طریقه یہی هوسکتا هے که پہلے اس اصولی اور کلی تصور سے بحث کی جائے جو عام شخصی ملکیت سے متعلق هے اور زمین کی شخصی ملکیت پر اجمالاً دلالت کرتا هے، اس کے بعد ان جزوی نصوص سے بحث کی جائے جو خاص طور پر زمین کی شخصی ملکیت پر دلالت کرتی هیں ۔

عام اور مطلق شخصی ملکیت کے بارے میں اسلام کا جو اصولی و کلی تصور هے اسے پوری طرح سمجھنے کے لئے چند امور کا ذهن نشین هونا ضروری هے، یا یوں کہئے که اس کی تفصیل و توضیح کے سلسله میں مندرج ذیل امور کا جاننا ضروری هے :

اول یه که جہاں تک حقیقی اور دائمی ملکیت کا تعلق هے وه هر شے کے متعلق صرف الله تعالی کو حاصل هے یعنی صرف اسی کو هر شے میں هر قسم کے تصرف اور ردوبدل کا کلی، ذاتی اور دائمی اختیار هے اور یه اختیار اس کے لئے مخصوص هے دوسرا کوئی اس میں اس کا شریک نہیں ۔ قرآن حکیم کی جن آیات میں اس کا بیان هے ان کی تعداد پچاس سے کم نه هوگی، مثلاً یه آیت تقریباً بیس(۲۰) جگه هے :

لله ما فی السموات وما فی الارض ۔ اللہ ھی کے لئے ھے جو کچھ آسمانوں میں ھے اور جو کچھ کہ زمین میں ھے،

قرآن حکیم میں اللہ تعالی کی جن صفات کا ذکر ھے ان میں ایک صفت، صفت مالکیت بھی ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ اللہ تعالی کو کائنات کی ہر شے میں ھر قسم کے تصرف کا حقیقی، کامل اور دائمی اختیار ھے اور اس کے کسی تصرف پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں، لہذا یہ ایک ایمانی عقیدہ ھے جس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ھو سکتا، اور جس کا انکار، انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کردیتا ھے، بنا بریں ایک مسلمان کے لئے ضروری ھے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ھو کہ ھر شے کا حقیقی و دائمی مالک صرف اللہ تعالی ھے ۔

اور دیکھا جائے تو اللہ تعالی کی صفت مالکیت کا اس کی صفت خالقیت اور صفت ربوبیت کے ساتھ گہرا تعلق ھے، قرآن حکیم میں اللہ تعالی کی صفت خالقیت اور صفت ربوبیت کا بار بار اور بکثرت ذکر ھے، جس کا مطلب یہ ھے کہ صرف اللہ تعالی ھی ھر شے کو پیدا کرنے والا اور ھر شے کو بقا اور نشو و نما دینے والا ھے اور دوسرا کوئی اس کے ساتھ ان دو صفتوں میں شریک نہیں، تنہا وھی ھر شے کا خالق اور ھر شے کا رب ھے، اور ظاھر ھے کہ جس نے ھر شے کو پیدا کیا اور جو ھر شے کو بقا اور نشو و نما دے رھا ھو وھی ھر شے کا حقیقی مالک بھی ھو سکتا ھے، مطلب یہ کہ جب یہ مان لیا جائے کہ ھر شے کا خالق اور پروردگار صرف اللہ ھے تو پھر یہ ماننا لازم ھوجاتا ھے کہ اللہ ھی ھر شے کا مالک ھے اور اسی کو ھر شے میں ھر قسم کے تصرف کا حقیقی، کلی اور دائمی اختیار ھے، اس لحاظ سے جس طرح باقی تمام اشیاء اللہ کی ملکیت ھیں اسی طرح خود انسان بھی اللہ کی ملکیت ھے، اور کوئی انسان ایک ذرے تک کا مالک نہیں، قرآن مجید میں فرمایا :

لایملکون مثقال ذرۃ فی السموات و لا فی الارض ۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ھیں،

غرضکیه خالق اور رب ہونے کی وجه سے ہر شے کا حقیقی ، کامل اور دائمی مالک صرف اللہ تعالی ہے، انسان چونکه کسی شے کا خالق اور رب نہیں لہذا وہ اس لحاظ سے کسی شے کا مالک بھی نہیں، کیونکه یه ایک ناقابل انکار حقیقت ہے که انسان ایک ذرہ تک کو نه پیدا کرسکتا ہے اور نه فنا کرسکتا ہے ۔ ایک انسان عمر بھر جو کرتا یا کرسکتا ہے وہ صرف یه که تحلیل و ترکیب کے عمل سے مادی اشیاءٔ کی شکلوں کو ادلتا بدلتا رہتا ہے ۔ بنابریں ایک انسان کے ذریعے عالم موجودات میں اگر کسی نئی شے کا اضافه ہوتا ہے تو وہ صرف ان تغیرات و تبدلات کا ہوتا ہے جو اس کی سعی و محنت سے وجود میں آکر مادی اشیاءٔ کے ساتھ مختلف شکلوں میں قائم ہو جاتے ہیں لہذا ایک انسان اگر کسی شے کا مالک ہوسکتا ہے تو صرف ان اثرات اور تغیرات و تبدلات کاا مالک ہو سکتا ہے جو بظاہر اس کی سعی و محنت سے وجود میں آتے اور مختلف شکلوں میں مادی اشیاءٔ کے ساتھ قائم ہوجاتے ہیں، بظاہر اس لئے کہا که حقیقت میں یه تغیرات و تبدلات بھی اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں کیونکه وہ بے شمار اسباب و عوامل جن پر انسانی سعی و محنت کا داروسدار ہوتا ہے جیسے ہوا، پانی، روشنی، حرارت، برودت وغیرہ که اگر ان میں سے ایک شے بھی موجود نه ہو تو نه صرف یه که انسان کوئی سعی و محنت نہیں کرسکتا بلکه سرے سے زندہ ہی نہیں رہ سکتا، سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اسی طرح خود انسان اور اس کی وہ دماغی اور جسمانی صلاحیتیں بھی تو اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں جن کے ذریعے وہ سعی و محنت کرتا ہے ۔ قرآنی آیت ہے :

واللہ خلقکم و ما تعملون ۔ اللہ نے پیدا کیا تم کو اور اس کو جو تم عمل کرتے ہو، یعنی تمہارے اعمال اور ان کے اثرات کو ۔ دوسری آیت میں فرمایا ، واللہ خالق کل شئی ۔ اللہ ہر شے کا خالق ہے، ظاہر ہے که ''ہر شے،، میں انسانی سعی و محنت اور اس کے اثرات و نتائج بھی شامل ہیں لہذا خالق ہونے کی بنا پر انسانی سعی و محنت کے اثرات و نتائج کا بھی حقیقی مالک اللہ

ہے، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالی نے ہر انسان کو اس کی سعی و محنت کے اثرات کا خود اس کو مالک قرار دے دیا ہے لیکن یہ ملکیت ایک انسان کی دوسرے انسانوں کی بنسبت ہے اللہ تعالی کی بنسبت نہیں ۔

اسلامی تصور ملکیت کی توضیح کے سلسلہ میں جس دوسری بات کا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اس بات کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالی نے کائنات ارضی کی تمام اشیاء بنی نوع انسان کے تمتع و انتفاع کے لئے پیدا فرمائی ہیں، مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں :

۱ - هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ۔	وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا ۔
۲ - ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین ۔	اور تمہارے لئے زمین میں ٹھرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک
۳ - والارض وضعها للانام ۔	اور زمین کو خاص وضع سے بنایا یا رکھا لوگوں کے فائدہ کے لئے
۴ - ولقد مکنا کم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش ۔	اور بلاشک ہم نے متمکن کیا یا مکین بنایا تم کو زمین میں اور بنایا اور مہیا کیا اس میں تمہارے انتفاع کے لئے سامان معاش،
۵ - والارض بعد ذالك دحها ، اخرج منها ماءها ومرعها، والجبال ارسها، متاعا لکم و لانعامکم ۔	اور اس کے بعد زمین کو ہموار کرکے بچھایا، اس میں سے پانی نکالا اور چارا اگایا، اور پہاڑوں کو مضبوطی کے ساتھ جمایا تمہارے فائدہ کے لئے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے ۔

۶ - انا صببنا الماء صبا، ثم شققنا الأرض شقا، فانبتنا فیها حبا، وعنبا و قضبا و زیتونا و نخلا، وحدائق غلبا، و فاکھة و ابا، متاعا لکم و لانعامکم -

بے شک ہم نے خوب پانی برسایا پھر زمین کو پھاڑا، پھر اس میں سے اگایا، غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور اور گھنے باغ اور پھل، اور چارا تمہارے فائدہ کے لئے اور تمہارے جانوروں اور مویشیوں کے فائدہ کے لئے -

۷ - ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقه -

اللہ وہی ہے جس نے کیا تمہارے فائدہ کے لئے زمین کو پائمال ، پس چلو تم اس کے راستوں میں اور کھاؤ اس کے رزق سے -

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات کے سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں جو خطاب ہے وہ کسی خاص زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے خاص نسل و رنگ کے انسانوں سے مختص نہیں بلکہ بلا کسی تخصیص و امتیاز کے اور بغیر کسی تفریق و استثناء کے نوع انسان کے تمام افراد اس کے مخاطب ہیں خواہ وہ کسی زمانے میں اور کرۂ ارض کے کسی حصہ پر ظاہر ہوں، لہذا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جو مظاہر فطرت اور جو جمادات، نباتات اور حیوانات ہیں یہ سب بنی نوع انسان کے انتفاع و استفادہ کے لئے ہیں گویا یہ بنی نوع انسان کےلیے قدرت کا عام عطیہ ہیں جن سے فائدہ اٹھانے کا ہر انسان کو یکساں حق ہے اور اس حق استفادہ میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور برتری نہیں بلکہ بحیثیت انسان کے تمام انسان اس میں برابر کے شریک ہیں، اس لئے کہ ہر انسان اپنی طبعی عمر تک اطمینان کے ساتھ زندہ رہنے اور اپنے

مراحل ارتقاءٔ حسن و خوبی کے ساتھ طے کرنے کے لئے رزق و مال کا محتاج ہے لہذا رب العلمین اور رب الناس نے اپنے پیدہ کردہ وسائل رزق و مال سے ہر انسان کو رزق و مال حاصل کرنے اور فائدہ اٹھانے کا مساوی حق دیا ہے، یعنی جس ضرورت اور احتیاج کی بنا پر یہ حق ہے وہ تمام انسانوں میں یکساں اور برابر ہے لہذا یہ حق بھی سب کے لئے یکساں و برابر ہے۔

قرآن حکیم میں ایسی متعدد آیات ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے انسان کو خلافت ارضی سے نوازا اور اس کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے، مطلب یہ کہ انسان کو ان جملہ دماغی و جسمانی صلاحیتوں اور ان تمام فکری و عملی قوتوں سے آراستہ کرکے پیدا کیا گیا ہے جن کے ذریعے وہ دنیا کی تمام اشیاءٔ اور زمین کی جملہ انواع مخلوقات میں تصرف کرسکتا اور ان کو مطیع و مسخر کرکے ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے، کائنات میں انسان کی یہ جو پوزیشن ہے اپنے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی محتاج نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جس کا ہر آن مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، اس میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس حقیقت کو اللہ نے خلافت سے کیوں تعبیر فرمایا، خلافت سے تعبیر کرنے کا مطلب، دراصل انسان کو اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ اس کو تسخیر و تصرف کی جو ذہنی اور عملی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں وہ اصلاح و تعمیر کے لئے ہیں افساد اور تخریب کے لئے نہیں، یعنی اللہ کا منشاءٔ یہ ہے کہ انسان اپنی ان صلاحیتوں اور قوتوں کو اصلاح و تعمیر میں صرف کرے بگاڑ اور تخریب میں صرف نہ کرے، کیونکہ اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے اور جس نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور اس کو تسخیر و تصرف کی صلاحیتوں سے نوازا، تخریب و افساد کو پسند نہیں کرتا بلکہ تعمیر و اصلاح کو پسند کرتا ہے لہذا بحیثیت خلیفہ کے انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو تخریب و افساد میں نہیں بلکہ صرف تعمیر و اصلاح میں صرف کرے، بالفاظ دیگر انسان کو یہ باور کراکے کہ وہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے دراصل یہ کہا گیا ہے کہ

مظاہر فطرت اور اشیائے کائنات میں اس کا ہر وہ تصرف جایز اور درست ہے جس سے تعمیر و اصلاح ہو سکتی ہو اور خود انسان کو فائدہ پہنچ سکتا ہو اور ہر وہ تصرف ناجایز اور غلط ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں نکلتا ہو اور جس سے خود انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہو، پھر چونکہ کائنات ارضی کی یہ خلافت آدم اور اولاد آدم یا یوں کہئے کہ بنی نوع انسان کے لئے ہے لہذا نوع انسان کے ہر ہر فرد کو اشیائے ارضی میں تصرف کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا مساوی حق ہے اور اس میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور فوقیت نہیں ۔

گویا اللہ تعالی نے جو ہر شے کا خالق، رب اور حقیقی مالک ہے اپنی پیدا کردہ مملوکہ اشیاء سے فائدہ اٹھانے اور فائدے کی خاطر ان میں تصرف کرنے کا بنی نوع انسان کو حق اور اختیار دیا ہے، اور یہ حق و اختیار چونکہ انسانیت کی بنا پر ہے لہذا ہر انسان اس میں برابر کا شریک ہے ۔

تیسری بات جس کا اسلامی تصور ملکیت کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ قرآن و حدیث کی بعض دوسری نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق استفادہ اور حق تصرف میں جس مساوات و برابری کا اوپر ذکر ہوا ہے یہ سب انسانوں کے درمیان اس وقت تک ہے جب تک وہ اشیاء اور وسائل رزق و مال اپنی قدرتی ہیئت و شکل پر برقرار ہوں اور کسی انسان کے تصرف سے ان میں مفید تغیر و تبدل رونما نہ ہوا ہو، کیونکہ ان دوسری نصوص میں یہ بیان ہے کہ جو قدرتی شے سب سے پہلے کسی انسان کے قبضہ و تصرف میں آتی ہے، یا جو انسان سب سے پہلے کسی قدرتی شے میں تصرف کرکے اس کی ہیئت و شکل کو بدل کر اس میں کچھ مزید افادیت پیدا کردیتا ہے وہ شے اب اس خاص انسان کے استفادہ کے لئے مخصوص ہوجاتی ہے اور اس کو اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے :

من سبق الی مالم یسبق الیه احد فھو له ـ جس نے سبقت کی اس شے کی طرف جس کی طرف کسی نے سبقت نه کی تھی پس وہ اس کے لئے ھے، اس حدیث نبوی میں جو اجمال ھے اس کی تفصیل دوسری احادیث میں ملتی ھے وہ تفصیل یه که بعض اشیاء کے متعلق حق استفادہ میں یه ترجیح و تخصیص محض قبضے اور استیلاء سے حاصل ھو جاتی ھے اور بعض کے متعلق محض قبضه و استیلاء سے نہیں بلکه جب انسان اس کو اپنی سعی و محنت سے زیادہ مفید و کارآمد بنا دیتا ھے اور اس کی قدرتی افادیت میں ایک نئی افادیت پیدا کر دیتا ھے، ذیل میں کچھ مثالیں ملاحظه فرمائیے :

پہلی مثال دریا کے پانی کی لیجئے جب تک وہ دریا میں اپنی قدرتی حالت و شکل پر برقرار رھتا ھے اس کا ایک ایک قطرہ تمام بنی نوع انسان کے استفادہ کے لئے ''مباح العام،، ھوتا ھے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں کسی انسان کو دوسرے پر کوئی ترجیح و تخصیص نہیں ھوتی، لیکن جوں ھی کوئی شخص دوسروں سے سبقت کرکے دریا سے کچھ پانی اپنے چلو وغیرہ میں اٹھا لیتا ھے تو اب یه اٹھایا ھوا پانی اس اٹھانے والے شخص کے انتفاع و استفادے کے لئے مخصوص ھو جاتا ھے یعنی اس پانی سے فائدہ اٹھانے کے حق میں اس شخص کو دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ھو جاتی ھے اور اب دوسرا کوئی شخص اس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر اس پانی میں نه تصرف کرسکتا ھے اور نه اس سے فائدہ اٹھا سکتا ھے ـ

دوسری مثال جنگلی جانوروں، پرندوں اور پھلوں وغیرہ کی ھے جب تک وہ جنگل میں اپنی قدرتی حالت پر باقی اور برقرار رھتے ھیں سب انسانوں کے استفادہ کے لئے عام اور مباح ھوتے ھیں اور ان سے استفادہ کرنے کا حق نوع انسان کے تمام افراد کو یکساں طور پر حاصل ھوتا ھے لیکن جب ایک شخص دوسروں سے پہل کرکے جنگل جاتا اور وھاں سے کوئی جانور یا پرندہ پکڑ کر یا پھل وغیرہ

توڑ کر آبادی میں لے آتا ہے تو اس جانور، پرندے اور پھل سے فائدہ اٹھانے کے حق میں اس شخص کو دوسرے انسانوں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے اور اب دوسرے کسی کے لئے یہ جایز نہیں رہتا کہ وہ اس شخص کی رضامندی یا اجازت کے بغیر اس سے فائدہ اٹھا سکے، خود اس شخص کو اس میں ہر اس تصرف کا اختیار ہوتا ہے جو استفادے کے لئے ضروری ہو مثلاً اس کو ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے، اس کو کمائی کا ذریعہ بنا سکتا ہے نیز کسی دوسرے کو بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن دوسرے کسی کو اس میں ان تصرفات کا اختیار نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ شخص اس کو اجازت دے دے۔

تیسری مثال ایک خطۂ زمین کی لیجئے، جب تک وہ اپنی قدرتی حالت پر بنجر و غیر آباد پڑا رہتا ہے سب کے استفادہ کے لئے مباح اور عام ہوتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے اور اس میں جائز تصرف کرنے کے حق میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح و تخصیص نہیں ہوتی بلکہ سب انسان اس حق میں برابر ہوتے ہیں ، لیکن جب کوئی شخص دوسروں سے سبقت کرکے خطہ زمین پر قبضہ کر لیتا ہے اور اپنی محنت و مشقت سے اس کو آباد کرکے قابل کاشت بنا دیتا ہے تو اس سے استفادے کے حق میں اس شخص کو دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے اور اس کو اس خطۂ زمین میں ہر اس تصرف کا ترجیحی اختیار حاصل ہوجا تا ہے جس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہو اور دوسروں کو نقصان نہ پہنچتا ہو ، اور اب دوسرا کوئی اس کی اجازت کے بغیر ، استفادہ کی غرض سے اس میں تصرف نہیں کر سکتا، چنانچہ زمین کے متعلق بطوز خاص رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے :

من احیا ارضا میتة فھی لہ ۔ جس نے زندہ کیا کسی مردہ زمین کو یعنی غیر آباد کو آباد کیا وہ اس کے لئے ہے، اور ایک دوسری حدیث کے الفاظ ہیں :

فهو احق بها ۔ پس وہ اس خطۂ زمین کا زیادہ حق‌دار ہے، پہلی حدیث کے لفظ لہ سے تخصیص اور دوسری حدیث کے لفظ ''احق،، سے ترجیح کا مفہوم پیدا ہوتا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص کسی بنجر و غیر آباد زمین کو اپنی محنت و مشقت سے آباد کرتا اور قابل کاشت بناتا ہے اس کو اس خطۂ زمین سے استفادے کے حق میں دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے ۔ غور سے دیکھا جائے تو دراصل کسی شے سے انتفاع و استفادے کے تخصیصی اور ترجیحی حق ہی کا دوسرا نام حق ملکیت ہے اور جس شخص کو کسی شے کے متعلق یہ حق حاصل ہوتا ہے وہ اس شے کا مالک کہلاتا ہے ۔

فقہائے اسلام اور علمائے قانون نے ملکیت اور حق ملکیت کی جتنی تعریفیں تجویز کی ہیں ان کا بغور جائزہ لیا جائے تو حاصل یہ نکلتا ہے کہ ملکیت اس خصوصی تعلق کا نام ہے جو کسی انسان اور کسی شے کے مابین خاص اسباب کے تحت قایم ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے اس انسان کو اس شے میں تصرف کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا خصوصی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس کو اپنے ذاتی استعمال میں لاسکتا ہے، مزید آمدنی اور کمائی کا ذریعہ بنا سکتا ہے، معاوضہ کے ساتھ یا بغیر معاوضہ کے دوسروں کو دے سکتا ہے، اور اس شخص کا اس شے سے یہ خصوصی تعلق، دوسروں کے لئے اس شے سے استفادے کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، یعنی دوسروں کے لئے شرعاً اور قانوناً یہ جایز نہیں ہوتا کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس شے میں تصرف یا اس سے استفادہ کریں، ملکیت کی ان تعریفوں میں سے چند تعریفیں درج ذیل ہیں :

۱ ۔ الملك هو اختصاص حاجز شرعاً يسوغ التصرف الا لمانع ۔ (الحاوی للمقدسی)	ملکیت، انسان اور شے کے درمیان وہ خصوصی تعلق ہے جو شرعاً دوسروں کے لئے اس شے سے استفادہ میں رکاوٹ اور اس انسان کے تصرف کے لئے وجۂ جواز بنتا ہے

الا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو، جیسے جنون وغیرہ،

٢ ـ الملك قدرة يثبتها الشارع ابتداءً على التصرف الا لمانع ـ (الاشباه و النظائر لابن نجيم)

ملکیت کسی شے میں تصرف پر وہ قدرت ہے جو کسی انسان کے لئے شارع کے ثابت کرنے سے ابتدائی طور پر ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہ کوئی مانع موجود ہو،

٣ ـ الملك اتصال شرعی بين الانسان و بين شئ يكون سببا لتصرفه و مانعا عن تصرف غيره (دستور العلماء) ـ

ملکیت، انسان اور کسی شے کے درمیان اس شرعی تعلق کا نام ہے جو اس انسان کے لئے اس شے میں تصرف کا موجب اور اس کے غیر کے لئے اس میں تصرف کا مانع بنتا ہے،

٤ ـ الملك تمكن الانسان شرعاً بنفسه او بنائبه من الانتفاع بالعين او بالمنفعة ومن اخذ العوض عنهما ، (الفروق للقرافی) ـ

ملکیت کا مطلب ہے انسان کو شرعاً قدرت حاصل ہونا بذات خود یا بذریعہ نائب خود، کسی مادی یا معنوی شے سے نفع اٹھانے کی اور ان کے بدلے دوسروں سے معاوضہ لینے کی،

٥ ـ حق ملكية الشئ هو حق الاستئثار باستعماله و باستغلاله و بالتصرف فيه،

کسی شے کے حق ملکیت کا مطلب وہ حق ترجیح ہے جو کسی انسان کو اس شے کے استعمال کرنے، ذریعہ کمائی بنانے اور اس میں تصرف کرنے کے متعلق حاصل ہوتا ہے،

ان تعریفوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملکیت ایک معنوی حقیقت ہے جس کا وجود خارج میں نہیں بلکہ ذہن میں ہوتا ہے، خارج میں اس کے کچھ آثار ہوتے ہیں لہذا اس معنوی حقیقت کو سمجھنے سمجھانے میں ان جانے پہچانے آثار سے مدد لی جاتی ہے، مثلاً اس شے کا کسی خاص انسان کے استفادہ کے لئے مخصوص ہونا ، اس انسان کو اس میں تصرف کا اختیار ہونا، دوسروں کے لئے اس میں تصرف کا ناجایز اور ممنوع ہونا ، اور پھر چونکہ اس حقیقت کو مختلف الفاظ سے بیان کیا جاسکتا ہے لہذا تعریفوں میں لفظی اختلاف کا ظاہر ہونا ایک قدرتی امر ہے ۔

بہرحال اسلام کا یہ محکم اصول ہے کہ جو شخص سب سے پہلے کسی قدرتی شے پر قبضہ کرتا ہے اور اس کو اپنی سعی و محنت سے زیادہ مفید اور کارآمد بنا دیتا ہے اس کو اس شے سے استفادے اور اس میں تصرف کے حق میں دوسروں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کا مالک بن جاتا ہے ۔

اور اس اصول کی بنیاد دراصل اس فطری تصور پر ہے کہ ہر انسان اپنی سعی و محنت کے اثرات و ثمرات کا خود مالک ہے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا صرف اسی کو حق ہے، قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اس فطری تصور کا بیان ہے ارشاد الہی ہے : لیس للانسان الا ما سعی، نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو اس کی سعی سے وجود میں آیا، بالفاظ دیگر انسان کسی چیز کا مالک نہیں سوائے اپنی سعی و محنت کے اثرات کے ، اسی طرح اس آیت کریمہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنی سعی و محنت کے اثرات و ثمرات کا خود مالک اور حقدار ہے ۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے : لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت ۔ اسی کے لئے ہے اس کے اچھے عمل کا فائدہ اور اسی پر ہے اس کے برے فعل کا ضرر، مطلب یہ کہ ہر متنفس اور ہر انسان اپنے کسب و اکتساب کے اچھے برے نتائج و اثرات کا خود حق‌دار اور ذمہ دار ہے ۔ یہاں یہ معلوم رہے

کہ قرآن مجید کی مذکورہ آیات کا مفہوم و مطلب نہایت وسیع اور جامع ہے، انسان کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں پر حاوی اور دونوں کے امور و معاملات سے یکساں تعلق رکھتا ہے، لہذا اس کو صرف اخروی زندگی یا صرف دنیاوی زندگی تک محدود کردینا صحیح نہیں کیونکہ قرآنی تعلیمات کا تعلق انسان کی موجودہ اور آئندہ دونوں زندگیوں سے ہے اور وہ دونوں کی صلاح و فلاح چاہتا ہے، لہذا مذکورہ قرآنی آیات کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کے اچھے عمل پر جو اچھے اور مفید اثرات دنیا میں مرتب ہوتے ہیں یا آخرت میں مرتب ہوں گے وہ سب اس کے فائدہ کے لئے مخصوص ہیں، اسی طرح اس کے برے اعمال پر جو برے اور مضر اثرات دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں یا آخرت میں ظاہر ہوں گے ان کے ضرر کا حق‌دار اور ذمہ دار بھی وہ خود ہے ۔

یہ اصولی تصور جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے اپنے مضمرات و متضمنات اور اپنے لوازم و مقتضیات کے لحاظ سے نہایت اہم تصور ہے ،اس کے ساتھ انسان کی انفرادی و اجتماعی اور مادی و روحانی فلاح و بہبود کا گہرا تعلق ہے اور اس پر ایک صالح معاشرے اور خوشگوار تمدن کا بڑی حد تک دارومدار ہے، اس کو نظرانداز کردیا جائے تو پھر عدل و ظلم اور جزا و سزا کا کوئی مطلب ھی باقی نہیں رھتا، یہ تصور درحقیقت انسان کے ایک بنیادی اور فطری حق کا محافظ ہے جس کے تحفظ کے بغیر کبھی بھی دنیا میں پائدار امن قائم نہیں ہوسکتا ۔

اس اصولی تصور کے عملی مقتضیات میں سے ایک مقتضیٰ یہ ہے کہ جس انسان کے اختیاری فعل و عمل سے جو مفید اثرات اور جو بہتر فوائد و ثمرات وجود میں آئیں وہ اس کی ذات کے لئے مخصوص اور اس کے حق میں محفوظ ہوں لہذا یہ تصور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے کہ یہ واقعہ ہے کہ انسان اپنے فہم و شعور اور اختیار و ارادے سے کوئی کام صرف اس وقت کرتا ہے جب اس کو یہ یقین یا غالب ظن ہوتا ہے کہ اس کام کے اثرات و نتائج سے اس کو

کوئی مادی یا روحانی فائدہ پہنچے گا ، بلکہ گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو ذاتی فائدہ کا شعور ھی وہ اصل محرک ھوتا ھے جو انسان کو کسی اختیاری و ارادی فعل پر آمادہ کرتا ھے اور جس کی تحریک سے انسان نہایت مشکل اور دشوار کاموں کو بخوشی انجام دے دیتا ھے، یہ دوسری بات ھے کہ بعض دفعہ وہ فہم و شعور غلط ثابت ھوتا اور انسان کو ندامت اٹھانی پڑتی ھے، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان کے ھر اختیاری و ارادی فعل کی تہہ میں ذاتی فائدے کا شعور ضرور کار فرما ھوتا ھے اور وہ جو کچھ کرتا ھے اپنے ھی فائدے کے لئے کرتا ھے ۔ اور بظاھر جب وہ دوسروں کے لئے ایثار و قربانی کرتا ھے اور تکلیفیں و مشقتیں اٹھاتا ھے تو درحقیقت اس کا محرک بھی ذاتی فائدے کا شعور ھوتا ھے، وہ سمجھتا ھے کہ اس سے اس کو دنیا میں عزت و جاہ اور شہرت و ناموری حاصل ھوگی اور آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور جنت کی زندگی نصیب ھوگی، غرضیکہ یہ انسان کی ناقابل تغیر فطرت ھے کہ وہ اپنے اختیار و ارادے اور اپنی مرضی خوشی سے جو بھی کام کرتا ھے محض اپنے فائدے کے لئے کرتا ھے اور چاھتا ھے کہ اس کام کا فائدہ اس کے لئے مخصوص ھو اور دوسرا کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس کو استعمال نہ کرے ۔

اسی طرح یہ اصولی تصور ،عقل و دانش اور عدل و انصاف کے بھی عین مطابق ھے، وہ یوں کہ ایک انسان جب کوئی کام کرتا ھے عام اس سے کہ وہ دماغی ھو یا جسمانی تو اس میں اس کی انرجی اور توانائی خرچ ھوتی اور وہ اس میں زحمت و تکلیف اٹھاتا ھے لہذا عقل اور انصاف کا تقاضا یہ ھے کہ ھر انسان کی سعی و محنت کا فائدہ صرف اسی کے لئے مخصوص ھو اور دوسرا کوئی اس کی رضا مندی کے بغیر اس سے استفادہ نہ کرے ۔

چنانچہ عملی اطلاق و تطبیق کے لحاظ سے اس اصولی تصور کی جو مختلف شکلیں ھو سکتی ھیں ان میں سے ایک شکل یہ ھے کہ جس مادی شے کے ساتھ

کسی انسان کی سعی و محنت کے مفید اثرات وابستہ اور قائم ہو جائیں وہ شے اس انسان کے انتفاع و استفادے کے لئے مخصوص ہو اور اس سے فائدہ اٹھانے کے حق میں اس انسان کو دوسروں پر ترجیح حاصل ہو کیونکہ اس کے بغیر اس کی سعی و محنت کے اثرات اس کے حق میں محفوظ اور اس کے فائدہ کے لئے مخصوص نہیں ہوسکتے، زیادہ واضح الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جب ایک انسان کسی قدرتی شے کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیتا ہے تو اس میں اس کو محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس محنت و مشقت کا اثر اس تغیر و تبدل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو شے کی قدرتی ہیئت و شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے، مثلاً جب کوئی شخص دریا سے اپنے چلو یا کسی برتن میں پانی اٹھالیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اس میں محنت کرنی پڑتی ہے، اور اس سے اس پانی کی قدرتی ہیئت و شکل میں جو تغیر واقع ہوتا ہے وہ اس محنت کا ایک محسوس اثر ہوتا ہے، اس اثر کو اس محنت کا فائدہ بھی کہہ سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں صرف اسی وقت محفوظ اور اس کے استفادہ کے لئے صرف اسی صورت میں مخصوص ہوسکتا ہے جب کہ وہ پانی اس کے استفادہ اور تصرف کے لئے مخصوص ہو جس کے ساتھ وہ اثر قائم ہے، علی‌ہذا القیاس جب کوئی شخص کسی غیرآباد خطۂ زمین کو آباد کرتا ہے تو اس میں اس کو محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اس محنت و مشقت کے اثرات ، اس خطۂ زمین کے ساتھ آبادی کی شکل میں قائم ہو جاتے ہیں ، اب یہ اثرات اس شخص کے فائدہ کے لئے صرف اس وقت مخصوص ہوسکتے ہیں جب وہ خطۂ زمین اس کے استفادہ کے لئے مخصوص ہو جس کے ساتھ وہ اثرات قائم اور وابستہ ہیں، لہذا اسلام نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ جو قدرتی شے سب سے پہلے کسی شخص کے قبضہ اور تصرف میں آجائے حق استفادہ اور حق تصرف میں اس شخص کو دوسروں پر تخصیص و ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور وہ شخص اس شے کا مالک بن جاتا ہے ۔

اور پھر چونکہ حق استفادہ اور حق تصرف میں یہ تخصیص و ترجیح ،

ان اثرات کی بنا پر وجود میں آتی ہے جو کسی شخص کی سعی و محنت سے کسی شے کے ساتھ قائم ہوجاتے ہیں لہذا جب تک وہ اثرات قائم رہتے ہیں یہ ترجیح و تخصیص بھی قائم رہتی ہے جس کا دوسرا نام ملکیت ہے، اور جب وہ اثرات زائل ہوجاتے ہیں تو یہ ترجیح و تخصیص اور یہ ملکیت بھی زائل ہوجاتی ہے، کیونکہ علت کے انتفاء سے معلول کا انتفاء لازمی ہوتا ہے، مثلاً جب وہ شخص دریا سے اٹھائے ہوئے پانی کو دوبارہ دریا میں ڈال دیتا ہے یا جنگل سے پکڑ کر لائے ہوئے شکار کو پھر جنگل میں چھوڑ دیتا ہے تو اس سے اس کی محنت و مشقت کے اثرات زائل ہو جاتے اور وہ پانی اور جانور اپنی سابقہ قدرتی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے لہذا اس شخص کی ملکیت بھی زائل ہو جاتی ہے جو اس کو اپنی سعی و محنت کے اثرات کی بنا پر حاصل ہوئی تھی، اسی طرح ایک بنجر اور غیر آباد زمین کو ایک شخص آباد کرنے کے بعد معطل چھوڑ دیتا ہے تو ایک عرصہ کے بعد اس سے آبادی کے اثرات زائل ہوجاتے ہیں اور وہ زمین اپنی سابقہ قدرتی حالت کی طرف لوٹ جاتی ہے ، چنانچہ جب ایسا ہو تو اس زمین کے متعلق اس شخص کی ملکیت بھی زائل ہو جاتی ہے جو سعی و محنت کے اثرات کی وجہ سے اس کو حاصل ہوئی تھی، اور اب یہ زمین حسب سابق سب انسانوں کے استفادہ کے لئے عام ہو جاتی ہے چنانچہ اب جو دوسرا شخص پہل کرکے اس کو آباد کرلے وہ اس کا مالک بن جاتا ہے ۔

الغرض مذکورہ بالا اسلامی اصول کی رو سے کسی شخص کو کسی قدرتی شے کے متعلق جو حق ملکیت حاصل ہوتا ہے وہ دائمی اور لازوال نہیں ہوتا بلکہ وقتی اور قابل زوال ہوتا ہے کیونکہ اس کی جو بنیاد ہے یعنی انسانی سعی و محنت کے اثرات، وہ عارضی اور قابل زوال ہے ۔

چوتھی بات جس کا اسلامی قصور ملکیت کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ مذکورہ اصول کے تحت کسی شخص کو کسی شے سے متعلق جو

حق ملکیت حاصل ھوتا ھے وہ ناقابل انتقال نہیں بلکہ قابل انتقال ھوتا ھے یعنی مالک اگر اپنا یہ حق کسی دوسرے کی طرف منتقل کرنا چاھے تو وہ منتقل ھوجاتا ھے اور اب وہ دوسرا شخص اس شے کا مالک بن جاتا ھے، لیکن یہ اچھی طرح یاد رھے کہ اسلام کے نزدیک انتقال ملکیت کے صرف وھی طریقے جایز اور صحیح ھیں جن میں مالک کی حقیقی رضامندی موجود ھو کیونکہ قرآن و حدیث میں یہ تصریح ھے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جایز نہیں، آیت قرآنی ھے :

یا ایھا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (سورۃ النساء)	اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ تجارت کے ذریعے باھمی رضامندی سے ایک دوسرے کو ملے

اس آیت سے صاف معلوم ھوتا ھے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال لینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ ھر ایک فریق کی رضامندی پائی جاتی ھو، اسی طرح اس بارے میں ایک حدیث نبویؐ ھے :

لایحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفسہ ۔ کسی مسلمان کا مال لینا حلال اور جایز نہیں مگر یہ کہ وہ اس کی رضا و خوشی سے ھو، اس حدیث سے بھی ثابت ھوتا ھے کہ مالی لین دین کے جس طریقے میں مالک کی رضامندی نہ پائی جاتی ھو وہ ناجایز اور حرام ھے اس کے ذریعے منتقل شدہ چیز کا دوسرا مالک نہیں قرار پا تا ۔

پھر چونکہ یہ واقعہ ھے کہ ایک انسان اپنی مملوکہ شے دوسرے کو رضا و خوشی کے ساتھ صرف اس وقت دیتا ھے جب اسے یہ وثوق و اطمینان ھوتا ھے کہ اس کو اس کی مملوکہ شے کا کسی نہ کسی شکل میں معاوضہ ملے گا، وہ معاوضہ زر و نقدی کی شکل میں ھو یا اجناس اور تیار سامان کی شکل میں،

خدمت و راحت کی شکل میں ھو یا عزت و شہرت کی شکل میں، اللہ کی رضا و خوشنودی کی شکل میں ھو یا اخروی اجر و ثواب کی شکل میں ، بہرحال وہ کسی نہ کسی شکل میں اس شے کا معاوضہ ضرور چاھتا ھے اور یہ چاھنا اس کی فطرت کا تقاضا ھے جو کبھی بدل نہیں سکتی لہذا اسلام نے جو دین فطرت ھے انتقال ملکیت کے صرف ان ھی طریقوں کو جایز قرار دیا ھے جن میں مالک کے لئے کسی نہ کسی شکل میں اس کی مملوک شے کا معاوضہ موجود ھوتا ھے لہذا ان میں اس کی رضامندی پائی جاتی ھے ۔ عام اور معمولی حالات میں وہ طریقے حسب ذیل ھیں :

اول: تجارت اور بیع و شراء کا طریقہ ، جس میں ھر فریق اپنی مرضی سے اپنی چیز کا دوسروں کی چیز سے تبادلہ کرتا ھے لہذا اس میں ھر فریق کے لئے اس کی شے کا معاوضہ مادی شکل میں موجود ھوتا ھے ۔

دوم: نوکری و ملازمت کا طریقہ جس میں ایک فریق دوسرے کو اپنی خدمت پیش کرتا اور دوسرا اس کے بدلے میں اس کو مادی معاوضہ ادا کرتا ھے، اس میں بھی چونکہ ھر فریق کے لئے اس کی شے کا معاوضہ موجود ھوتا ھے لہذا رضامندی پائی جاتی ھے ۔

سوم : صدقہ اور ھبہ کا طریقہ ، جس میں ایک شخص از راہ ھمدردی و خیرخواھی اپنی مملوکہ شے دوسرے کو دے دیتا ھے اور اسے یقین ھوتا ھے کہ اس کے بدلے میں اس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ھوگی اور دونوں جہاں میں اس کا بہتر اجر و ثواب ملے گا، لہذا اس طریقہ میں بھی دینے والے مالک کی رضامندی موجود ھوتی ھے، علاوہ ازیں جو شخص اپنی چیز اپنے کسی عزیز، دوست اور بزرگ کو بطور ھبہ اور ھدیہ پیش کرتا ھے اسے وثوق ھوتا ھے کہ اس سے اس کا عزیز، دوست اور بزرگ خوش ھوگا اور اس کی ذات سے اس کو فائدہ پہنچے گا اور نیز چونکہ یہ ایک نیک عمل ھے لہذا اللہ کی طرف سے اس کا اجر و ثواب بھی ضرور ملے گا بنابریں وہ اس پیش کش میں راضی ھوتا ھے ۔

چہارم : ادھار اور قرض حسنه کا طریقه، اس میں بھی ظاہر ھے که جو شخص اپنی چیز کسی ضرورت مند کو قرض کے طور پر دیتا ھے اس کے عوض اس کو مقررہ میعاد کے بعد ویسی ھی چیز واپس مل جاتی ھے، نیز اس همدردانه نیک عمل پر وہ عند الله اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ھے، لهذا اس طریقه میں بھی مالک کے لئے معاوضه موجود ھونے کی وجه سے اس کی رضامندی پائی جاتی ھے ۔

پنجم : وراثت و وصیت کا طریقه ھے جس میں ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کا مال اس کے رشتهدار وارث کو اور اس کو جس کے حق میں متوفی نے وصیت کی هو مل جاتا ھے، اس طریقه میں بھی غور سے دیکھا جائے تو مالک کی رضامندی موجود ھوتی ھے ، وصیت کی صورت میں تو ظاهر ھے که وہ اپنی خوشی سے وصیت کرتا ھے اور یه سمجھتا ھے که اس احسان و بھلائی کا اجر اس کو آخرت میں ضرور ملے گا کیونکه الله نے اس پر اجر کا وعدہ فرمایا ھے، وراثت کی صورت میں یوں که ایک شخص یه جاننے کے باوجود که اس کے مرنے کے بعد اس کا متروکه مال اس کے ورثاً کو مل جائے گا پھر بھی مال جمع اور محفوظ کرتا ھے تو گویا یه چاهتا ھے که اس کا متروکه مال اس کے ورثاً کو ملے جن کے ساتھ اس کا خونی اور نسبی رشته ھے اور جو زندگی میں اس کے ساتھ دکھ سکھ میں شریک ھوتے ھیں اور همدردی و خیر خواهی کے ساتھ پیش آتے ھیں، مثلاً والدین تو جمع ھی اس لئے کرتے ھیں که ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد اس سے فائدہ اٹھائے اور چونکه رشته داروں کے ساتھ صله رحمی اور حسن سلوک ایک ایسا نیک عمل ھے جس پر اجر و ثواب کا حتمی وعدہ ھے لهذا اس طریقه میں بھی مالک کے لئے اس کی شے کا معاوضه اخروی اجر و ثواب کی شکل میں موجود ھوتا ھے جو رضامندی کی ایک زائد دلیل ھے ۔

معمولی اور پرامن حالات میں انتقال ملکیت کے لئے مذکورہ پانچ طریقے ھیں جن کو اسلام جائز اور درست سمجھتا ھے اور جن کے ذریعے منتقل شده

شے کا دوسرے کو مالک تسلیم کرتا ہے ، ان کے سوا باقی تمام طریقوں کو ناجایز اور باطل قرار دیتا ہے جن میں پہلے مالک کے لئے اس کی شے کا کسی شکل میں معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا ان میں اس کی حقیقی رضا مندی بھی نہیں پائی جاتی، جیسے چوری، غصب، خیانت، جوا، سود اور رشوت وغیرہ کے طریقے کہ ان میں مالک کے لئے نہ تو اس کی شے کا کوئی معاوضہ موجود ہوتا ہے اور نہ اس کی حقیقی رضا مندی پائی جاتی ہے لہذا ان کے ذریعے منتقل شدہ شے کا ایک سارق غاصب خائن، سودخوار اور راشی شخص مالک نہیں قرار پاتا بلکہ بدستور پہلا شخص اس شے کا مالک رہتا ہے ۔

یہ ہے اسلام کا وہ اصولی تصور، جو قرآن و حدیث سے شخصی و انفرادی ملکیت کے متعلق ثابت ہوتا ہے، اس کا مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے،

(ا) خالق اور رب ہونے کی حیثیت سے ہر شے کا حقیقی اور دائمی مالک صرف اللہ تعالی ہے صرف اسی کو ہر شے میں ہر قسم کے تصرف کا ذاتی، کلی اور مطلق اختیار ہے اور اس کے کسی تصرف پر کسی کو چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں، چنانچہ اس لحاظ سے کوئی انسان کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ وہ خود بھی اللہ کا مملوک ہے ۔

(ب) اللہ تعالی نے اپنی پیدا کردہ جملہ اشیأ سے بنی نوع انسان کو انتفاع و استفادے کا اور ان میں ہر اس تصرف کا جو انتفاع و استفادے کے لئے ضروری ہو عمومی حق دیا ہے اور اس حق میں تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں، لیکن یہ مساوات اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ اشیأ اپنی قدرتی حالت و شکل پر باقی و برقرار رہتی ہیں اور کسی انسان کے قبضہ و تصرف میں نہیں آتیں ۔

(ج) جب کوئی شخص دوسروں سے سبقت کرکے کسی قدرتی شے پر قبضہ کرلیتا اور اس میں تصرف کرکے اس کی افادیت کو بڑھا دیتا ہے تو اس

شخص کو اس شے سے استفادے کے حق میں دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے ـ بالفاظ دیگر وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، اب دوسرے کسی کے لئے یہ جایز نہیں ہوتا کہ وہ بغیر اس کی اجازت کے اس شے سے استفادہ کرے، اور چونکہ اس ملکیت کی علت اور بنیاد وہ اثرات ہوتے ہیں جو اس شخص کی سعی و محنت سے اس شے کے ساتھ قائم ہو گئے ہوتے ہیں لہذا جب تک وہ اثرات قائم رہتے ہیں ملکیت قائم رہتی ہے اور جب وہ زائل ہوجاتے ہیں تو ملکیت بھی زائل ہوجاتی ہے ـ

(د) چونکہ اللہ تعالی کی ملکیت اور انسان کی ملکیت کے معنی الگ الگ ہیں لیکن ان کے درمیان کوئی تعارض اور ٹکراؤ واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالی انتفاع و استفادہ کا محتاج نہیں لہذا ایک ہی شے بیک وقت اللہ کی ملکیت بھی ہو سکتی ہے اور ایک انسان کی ملکیت بھی، جب کہ ایک ہی شے بیک وقت دو انسانوں کی مستقل ملکیت نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ دونوں استفادہ کے محتاج ہیں، اور کسی شے کے متعلق ایک انسان کی ملکیت کے معنے ہیں اس شے سے استفادہ کے حق میں اس انسان کو دیگر تمام انسانوں پر ترجیح حاصل ہے اور یہ ایک کو حاصل ہو تو دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکتی، لہذا دو انسانوں کی مستقل ملکیت بیک وقت ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتی ورنہ اس میں تعارض اور تصادم واقع ہوگا ـ

(ہ) اسلام میں انتقال ملکیت کے جایز طریقے پانچ ہیں : تجارتی لین دین کا طریقہ، نوکری اور ملازمت کا طریقہ، صدقے اور ہبہ کا طریقہ، ادھار اور قرض کا طریقہ، وراثت اور وصیت کا طریقہ ، ان پانچ طریقوں سے ایک شے کے متعلق ایک شخص کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی اور دوسرا اس کا مالک قرار پاجاتا ہے ـ

•

شخصی و انفرادی ملکیت سے متعلق اسلام کا جو اصولی و کلی تصور پیش

کیا گیا ہے ظاہر ہے اس کی رو سے جس طرح کوئی شخص کسی اور شے کا مالک قرار پاتا ہے اسی طرح ایک خطۂ زمین کا بھی مالک قرار پاسکتا ہے کیوں کہ جس سبب کی بنا پر ملکیت کسی دوسری چیز میں متحقق ہوتی ہے جب وہی سبب کسی خطۂ زمین میں پایا جائے تو اس میں وہ کیوں متحقق نہ ہو، بہر کیف عقل و قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس شے میں بھی سبب ملکیت پایا جائے اس میں ملکیت کو تسلیم کیا جائے - (باقی)